اقوام عالم سے جماعت کا مقابلہ

اور شاندار انجام

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۷ رمئی ۱۹۸۳ء بمقام مسجد اقصیٰ ربوہ)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے سورۃ انبیاء کی درج ذیل آیات کی تلاوت فرمائی:

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ﴿٥٢﴾
اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ﴿٥٣﴾
قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ﴿٥٤﴾ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ
فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٥٥﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ
اللّٰعِبِيْنَ ﴿٥٦﴾ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِيْ
فَطَرَهُنَّ ۖ وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿٥٧﴾ وَتَاللّٰهِ
لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿٥٨﴾ فَجَعَلَهُمْ
جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ﴿٥٩﴾ قَالُوْا مَنْ
فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٦٠﴾ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى
يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ﴿٦١﴾ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ
لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ﴿٦٢﴾ قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا

يٰٓاِبۡرٰهِيۡمُ ﴿۶۳﴾ قَالَ بَلۡ فَعَلَهٗ ۖۗ كَبِيۡرُهُمۡ هٰذَا فَسۡـَٔلُوۡهُمۡ
اِنۡ كَانُوۡا يَنۡطِقُوۡنَ ﴿۶۴﴾ فَرَجَعُوۡۤا اِلٰٓى اَنۡفُسِهِمۡ فَقَالُوۡۤا اِنَّكُمۡ اَنۡتُمُ
الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۶۵﴾ ثُمَّ نُكِسُوۡا عَلٰى رُءُوۡسِهِمۡ ۚ لَقَدۡ عَلِمۡتَ مَا هٰٓؤُلَاۤءِ
يَنۡطِقُوۡنَ ﴿۶۶﴾ قَالَ اَفَتَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنۡفَعُكُمۡ
شَيۡـًٔـا وَّلَا يَضُرُّكُمۡ ﴿۶۷﴾ اُفٍّ لَّكُمۡ وَلِمَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ؕ
اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۶۸﴾ قَالُوۡا حَرِّقُوۡهُ وَانۡصُرُوۡۤا اٰلِهَتَكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ
فٰعِلِيۡنَ ﴿۶۹﴾ قُلۡنَا يٰنَارُ كُوۡنِىۡ بَرۡدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبۡرٰهِيۡمَ ﴿۷۰﴾
وَاَرَادُوۡا بِهٖ كَيۡدًا فَجَعَلۡنٰهُمُ الۡاَخۡسَرِيۡنَ ﴿۷۱﴾ (الانبیاء:۵۲-۷۱)

اور پھر فرمایا:

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جو بہت سے مجادلات غیروں سے ہوئے ان میں سے ایک کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے ابراہیم کو پہلے ہی سے بصیرت عطا فرمائی ہوئی تھی اور ہدایت دے رکھی تھی اور ہم ابراہیم کی ذات سے بخوبی واقف تھے۔ اس کے اندر جتنی خوبیاں پنہاں تھیں ان سب پر ہماری نظر تھی۔ وہ ایک صاحب رشد انسان تھا گہری خوبیوں کا مالک تھا۔ وہ صاحب عقل تھا اس لئے کوئی خلاف عقل بات وہ نہیں کر سکتا تھا۔ یہ سب کچھ جاننے کے بعد ہم یہ واقعہ بیان کرتے ہیں۔ جب ابراہیم نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے کہا کہ تم نے یہ کیا بت بنا رکھے ہیں جن کے سامنے تم وقف ہو بیٹھے ہو۔ دھرنا دے کے بیٹھ رہے ہو۔ آخر یہ ہیں کیا چیز؟ تو قوم کے لوگوں نے کہا ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو اسی طرح دیکھا تھا کہ وہ ان بتوں کی عبادت کیا کرتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اچھا، یہ بات ہے تو تم بھی اور تمہارے آباؤ اجداد بھی کھلی کھلی گمراہی میں مبتلا ہو۔ صرف ایک نسل کا معاملہ نہیں۔ معلوم ہوتا ہے تم پشتوں کے بگڑے ہوئے ہو۔ وہ بھی غلط تھے اور تم بھی غلط ہو۔ یعنی اگر کوئی یہ دلیل دے کہ میں نے اپنے ماں باپ کو اسی طریق پر پایا ہے اس لئے میں سچا ہوں تو یہ بڑی نامعقول بات ہے۔ اگر وہ خود جھوٹا ہے تو اس کا یہ مطلب بنے گا کہ اس کے ماں باپ بھی جھوٹے ہیں۔ یہ نتیجہ تو نکل سکتا ہے لیکن یہ نتیجہ کیسے نکل آیا کہ چونکہ ماں باپ نے ایسا کیا تھا اس لئے ہم سچے ہیں۔ یہ ہے دلیل جو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام

قوم کی طرف الٹا رہے ہیں۔

پھر قوم کے لوگوں نے کہا کہ اے ابراہیم! کیا تو کسی خاص سچائی کو لے کر ہمارے پاس آیا ہے، ایسی حقیقت کو جس کا ہم انکار نہیں کر سکتے یا محض ہم سے مذاق کر رہا ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کا یہ جواب دیا کہ تمہارا رب آسمان اور زمین کا رب ہے جس نے ان کو پیدا کیا اور یہ وہ بات ہے جس پر میں پوری طرح گواہ ہوں اس کے سوا میں کسی حق کو نہیں جانتا۔ میں اس بات پر گواہ ہوں کہ خدا کے سوا اور کوئی نہیں ہے جس نے زمین وآسمان کو پیدا کیا ہو اور اس کے خلاف تم کوئی شہادت پیش نہیں کر سکتے۔

اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو کہا کہ میں اسی خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کا میں ذکر کر رہا ہوں کہ لازماً میں تمہارے بتوں کے خلاف کوئی تدبیر کروں گا ایسی تدبیر جس سے ان کا جھوٹ ثابت ہو جائے۔ لیکن یہ تدبیر میں اس وقت کروں گا جب تم لوگ مجھے چھوڑ کر الگ ہو جاؤ گے اور جب ان بتوں کو خالی یعنی بغیر حفاظت کے چھوڑ دو گے۔ میں نے کچھ کرنا ضرور ہے لیکن ایسا فعل کرنا ہے جس کو تمہارے ہوتے ہوئے نہیں کر سکتا کیونکہ تم مجھے روک دو گے۔ پس جب میں نے دیکھا کہ تمہارے بت خالی پڑے ہیں تمہاری حفاظت سے باہر ہیں تو اس وقت میں ان کے ساتھ کچھ کر دوں گا۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو موقع ملا اور انہوں نے ان بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا سوائے ایک کے جو ان میں سب سے بڑا تھا۔ لَعَلَّهُمْ إِلَيْهِ يَرْجِعُونَ تاکہ اس بارہ میں وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف رجوع کریں۔

یہاں إِلَيْهِ کی ضمیر بڑے بت کی طرف نہیں جاتی بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف جاتی ہے کیونکہ جیسا کہ بعد کی آیت مضمون کو کھول دے گی، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے واضح طور پر انہیں یہ نہیں کہا تھا کہ بڑے بت سے پوچھو بلکہ ٹوٹے ہوئے بتوں سے پوچھنے کے متعلق کہا تھا اسی لئے وہاں جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے۔ پس حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا شروع سے ہی یہ مؤقف تھا کہ میں قوم کو متنبہ کر دوں کہ میں ہی ہوں اور جب کچھ ہو جائے تو وہ میری طرف آئیں اور کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ رہیں کہ کس نے یہ کام کیا اور کیوں کیا؟ یعنی آغاز ہی سے آپ بات کو خوب کھولتے چلے جا رہے ہیں۔

قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ قوم کے کچھ لوگ ناواقف تھے ان کو علم نہیں تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قوم کے بعض لوگوں سے کیا بات کی ہے اس لئے انہوں نے کہا یہ کون ہے جس نے ہمارے بتوں سے ایسا فعل کیا ہے؟ یقیناً وہ بہت بڑا ظالم ہے۔ تب اس گروہ نے جس سے حضرت ابراہیم کی گفتگو ہوئی تھی کہا کہ ہم نے ایک نوجوان ابراہیم نامی کو ایسی باتیں کرتے سنا تھا یعنی وہ کوئی لُکا چھپا، مخفی چور نہیں ہے۔ وہ تو کھلم کھلا کہہ رہا تھا کہ میں یہ کام کرنے والا ہوں اس لئے لازماً یہ فعل کرنے والا وہی ہے۔ پھر انہوں نے کہا اچھا! جو بھی ہے اسے پکڑ کر لاؤ اور عوام الناس کے سامنے پیش کرو تا کہ وہ دیکھیں تو سہی کہ یہ کون جرأت مند انسان ہے جو ایسی حرکتیں کرتا ہے۔

چنانچہ بھری مجلس میں جب قوم اکٹھی تھی حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پیش کیا گیا انہوں نے کہا اے ابراہیم! کیا تو نے ہمارے بتوں سے یہ فعل کیا ہے؟ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا اس کے دو معانی ہو سکتے ہیں۔ ایک جیسا کہ تفسیر صغیر میں ہے اور ہمارے بہت سے علما نے وہ ترجمہ کیا ہے۔ فَعَلَهٗ کے بعد وقف ڈالا گیا ہے اور ترجمہ یہ کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا کہ کسی کرنے والے نے یہ فعل کیا ہے یعنی فَعَلَهٗ کا جو فاعل ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام جواباً اس کا ذکر نہیں کرتے۔ قوم کے لوگوں نے پوچھا کیا تو نے یہ فعل کیا ہے؟ تو آپ نے کہا کسی کرنے والے نے کیا ہے۔ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا ان بتوں میں سے بڑا یہ ہے۔ فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ان سے پوچھو، اگر یہ بولتے ہیں۔ پس یہ میری مراد تھی کہ یہاں پہنچ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام ضمیر بڑے بت کی طرف نہیں پھیرتے کہ اس سے پوچھو، بلکہ کہتے ہیں کہ سب بتوں سے پوچھو، اگر یہ بول سکتے ہیں۔ یہ جواب کی ایک طرز ہے اور اس میں ایک حکمت ہے۔ میں بتاؤں گا کہ وہ کیا حکمت ہے؟

بہر حال اس ترجمے کو قبول کیا جا سکتا ہے اور اس کے خلاف کوئی قطعی منطقی دلیل نہیں دی جا سکتی کہ یہ ترجمہ ٹھیک نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے فَعَلَهٗ کے بعد وقف ہو تو معنی یہ بنیں گے کہ کسی کرنے والے نے ایسا کیا ہے۔ ان میں سے بڑا تو یہ ہے اور ان سے پوچھ لو کہ کیا واقعہ ہوا؟ لیکن اس ترجمے پر ایک چھوٹا سا اعتراض وارد ہوتا ہے کہ جب بڑے بت کو اس لئے بچایا تھا کہ لوگ اس کی طرف رجوع کریں اور یہ ثابت کیا جائے کہ اس بڑے نے دوسرے بتوں کو توڑا ہے تو پھر یہ سوال اٹھنا چاہئے تھا کہ اس بڑے سے پوچھ لو اور صحیح سلامت بھی وہی موجود تھا اس کا ذکر کیوں نہیں کیا۔ ٹوٹے ہوئے

بتوں سے پوچھنے کا کیوں کہا؟ لیکن اگر فَعَلَهٗ کی ضمیر کَبِیْرُهُمْ کی طرف پھیری جائے تو پھر یہ اعتراض پیدا نہیں ہوتا فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ کا مطلب یہ بنے گا کہ یقیناً اس بڑے بت نے یہ فعل کیا ہے۔ مجرم تو اقراری نہیں ہوا اس لئے جن کو مارا ہے ان سے پوچھو۔ اگر یہ بول سکتے ہیں تو بتا دیں گے اور اگر تمہارے خدا ایسے ہیں، انسان کے مارنے سے مر جاتے ہیں تو پھر بول نہیں سکیں گے۔ لیکن اگر تمہارا دعویٰ یہ ہے کہ تمہارے خدا نہیں مرتے تو پھر ان کو اس حالت میں بھی بول پڑنا چاہئے۔ جن پر ظلم ہوا ہے ان سے کیوں نہیں پوچھتے کہ تمہیں کس نے مارا ہے؟

عبارت کی رو سے بظاہر یہ ترجمہ زیادہ قرین قیاس نظر آتا ہے لیکن اس پر اعتراض پڑتا ہے کہ گویا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نعوذ باللہ جھوٹ بولا۔ اس لئے سلسلہ عالیہ احمدیہ کے جتنے علما بھی پہلا ترجمہ کرتے ہیں وہ اسی احتمال سے بچنے کے لئے وہ ترجمہ کرتے ہیں۔ یہ ہمارے بنیادی عقائد میں داخل ہے کہ نبی معصوم ہوتا ہے اور اس کے جھوٹ بولنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پس چونکہ دوسرے ترجمے سے یہ احتمال پیدا ہو جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جھوٹ تسلیم کر لیا جائے اس لئے اس اعراض کی خاطر ثانوی درجے کا ترجمہ قبول کر لیا جاتا ہے۔ گویا ایک مجبوری درپیش ہے ورنہ سیاق عبارت کے لحاظ سے تو دوسرا ترجمہ ہی موزوں نظر آتا ہے۔

جہاں تک میں نے غور کیا ہے میرے نزدیک ایسی کوئی مجبوری درپیش ہی نہیں ہے۔ اگر دوسرا ترجمہ بھی قبول کر لیا جائے یعنی یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ اس بڑے بت نے مارا ہے تم ان بتوں سے پوچھ لو تو ہرگز کسی جھوٹ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیوں؟ میں اس کی وجہ بتاتا ہوں۔ اگر ہم صحیح معنوں میں جھوٹ اور سچ کا تجزیہ کریں کہ جھوٹ کیا ہوتا ہے اور سچ کیا ہوتا ہے؟ ان کی کوئی ایسی کامل تعریف کریں جو جامع اور مانع ہو تو بعض ایسی صورتیں بھی آپ کے سامنے آئیں گی کہ ایک بیان کرنے والا خلاف واقعہ بیان کرتا ہے لیکن جھوٹ نہیں بول رہا ہوتا اور ایک بیان کرنے والا واقعہ صحیح بیان کر رہا ہوتا ہے لیکن جھوٹ بول رہا ہوتا۔ یہ دو قطعی صورتیں ہمارے سامنے آتی ہیں۔ مثلاً بچہ بعض دفعہ تنگ کرتا ہے اور پوچھتا ہے فلاں چیز کہاں گئی؟ آپ کہتے ہیں کہ زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا۔ حالانکہ یہ واقعات کے بالکل خلاف ہے۔ یا مثلاً میز پڑی ہوئی ہے تو کوئی چڑ کر جواب دیتا ہے کہ یہ میں نے کھالی ہے میرے پیٹ سے نکال لو۔ حالانکہ یہ بات بھی واقعہ کے بالکل

خلاف ہے لیکن کوئی معقول انسان اسے جھوٹ نہیں کہہ سکتا اس لئے کہ کہنے والا جانتا ہے کہ دوسرا اس پر یقین نہیں کرے گا اور کہنے والا اس مقصد کی خاطر کہتا بھی نہیں کہ دوسرا اس پر یقین کرے۔ پس جھوٹ یہ ہوتا ہے کہ خلاف واقعہ بات اس مقصد سے کہی جائے کہ دوسرا اس پر یقین کرلے اور کہنے والے کے نزدیک اس بات کا امکان ہو کہ دوسرا اس پر یقین کرسکتا ہے لیکن اگر اس کے برعکس مطلب ہو اور کہنے والے کے دل میں کامل یقین ہو کہ دوسرا یقین نہیں کرسکتا اور اس کے نتیجہ میں وہ کچھ اور بتانا چاہتا ہے تو پھر یہ جھوٹ نہیں ہے۔ اسی طرح اس کے برعکس یہ مثال ہے کہ واقعہ تو سچا ہے لیکن کہنے والا جھوٹا ہے۔ اس کی بہترین مثال قرآن کریم میں بیان ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ سورۃ المنافقون میں فرماتا ہے:

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝

(المنافقون:۲)

کہ اے محمد! (ﷺ) منافق تیرے پاس آتے ہیں اور حلف اٹھا کر کہتے ہیں کہ اے محمد (ﷺ)! ہم گواہ ہیں کہ تو اللہ کا رسول ہے اور اللہ خوب جانتا ہے کہ تو اس کا رسول ہے کیونکہ جس نے بھیجا ہے اس کو زیادہ پتہ ہے۔ اس کے باوجود خدا گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق جھوٹ بول رہے ہیں۔ واقعہ سچا بیان کررہے ہیں لیکن جو واقعہ بیان کررہے ہیں اس پر ان کو اعتماد نہیں ہے۔ یہ مقصد نہیں ہے کہ دوسرے بھی اس کو سچے واقعہ کے طور پر تسلیم کرلیں۔ مقصد یہ ہے کہ دوسرے اس بات کو تسلیم کرلیں کہ ہم اس کو سچا سمجھتے ہیں اس لئے جھوٹ بن گیا۔ پس اگر آپ سچ اور جھوٹ کا تجزیہ کریں تو دونوں شکلیں سامنے آجاتی ہیں۔ خلاف واقعہ بات بیان کی جارہی ہے لیکن اس کا جھوٹ سے کوئی تعلق نہیں۔ بالکل سچی بات بیان کی جارہی ہے اور ایسی سچی کہ اس سے زیادہ سچی بات انسانوں کے سامنے کبھی نہیں آئی یعنی کلمۂ توحید کہ ''اللہ ایک ہے''۔ یہ سب سے سچی بات ہے۔ اس کے بعد دوسرے درجہ کی بات یہ ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ خدا کہتا ہے کہ یہ منافق بظاہر سب سے سچی بات کررہے ہیں لیکن ہیں جھوٹے۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معاملے میں کیا واقعہ ہوا؟ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا شروع میں ہی قوم کے لوگوں کو یہ بتادینا کہ میں تمہارے بتوں سے کچھ کرنے والا ہوں قطعی

طور پر ثابت کرتا کہ آپ کوئی ایسی بات نہیں کر رہے جس کے ذریعہ اپنے اوپر سے واقعۃً الزام ٹالنا چاہتے ہیں۔ وہ تو کھلے طور پر بتا رہے ہیں کہ میں تمہارے بتوں کے ساتھ کچھ کرنے والا ہوں اور آپ کو کامل یقین تھا کہ قوم کے لوگوں کے لئے یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ یہ مان جائیں کہ کسی اور نے یہ فعل کیا ہے اور ان کے دل گواہی دیں گے کہ یہ بات جھوٹ ہے۔ پس جھوٹ کی حقیقت کھولنے کے لئے واقعہ بیان ہو رہا ہے نہ کہ جھوٹ کی تائید کے لئے اور بالکل برعکس نتیجہ نکالا جا رہا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کا قول جھوٹ پر سے پردہ اٹھا رہا ہے نہ کہ آپ جھوٹ بول رہے ہیں اور اس کمال فصاحت و بلاغت کے ساتھ پردہ اٹھا رہا ہے کہ قرآن کریم گواہی دیتا ہے کہ جب قوم کے لوگوں نے اپنے نفسوں میں غور کیا تو ان کے دل سے یہ آواز اٹھی کہ ہاں ظالم تم ہی لوگ ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ ان بتوں میں کوئی سچائی نہیں۔ نُكِسُوا عَلٰى رُءُوسِهِمْ گویا ابراہیم علیہ السلام کے مقابلے میں وہ اوندھے منہ جا گرے۔ ایسی مار کھائی ہے کہ سر کے بل زمین پر جا پڑتے ہیں۔

الغرض مضمون کا سارا سیاق وسباق بتا رہا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی بات کو ایک نہایت اعلیٰ منطقی دلیل کے طور پر استعمال کیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے شروع میں فخر سے بیان کیا کہ ہم نے ابراہیم کو رشد دی تھی۔ رشد کے بعد کیا خدا تعالیٰ نے جھوٹ کا واقعہ بیان کرنا تھا؟ یہ اچھا رشد ہے کہ اللہ تعالیٰ بڑی شان سے تعریف فرما رہا ہے کہ جس بندے کا میں ذکر کرنے والا ہوں اس کو ہم نے ہی رشد عطا کی تھی اور اس کی خوبیوں سے ہم گہرائی تک واقف تھے، خوب باخبر ہونے کے بعد اس کو مثال کے طور پر پیش کر رہے ہیں اور آگے واقعہ نعوذ باللہ من ذالک جھوٹ کا بیان کر دیا۔ یہ بالکل لغو بات ہے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ خدا ایسا کرے۔ پس اس مضمون کو پہلے ہی کھول دیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جھوٹ بولنے کے لئے ہرگز آمادہ نہیں تھے۔ انہوں نے پہلے ہی قوم کو بتا دیا تھا کہ میں یہ کام کرنے والا ہوں اس لئے بعد میں جو واقعہ خدا بیان کرتا ہے وہ فصاحت و بلاغت کا کمال ہے اور دشمن کو جھوٹا ثابت کرنے کے لئے ایک نہایت اعلیٰ درجے کی دلیل ہے۔

فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اس کا ایک یہ ترجمہ بھی ہے کہ وہ اپنے نفسوں میں ڈوب گئے۔ انہوں نے اپنے دلوں میں غور کیا اور دلوں سے یہ آواز اٹھی اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ لیکن شکست کھانے کے نتیجے میں وہ ڈھیٹ ہو گئے اور شکست تسلیم کرنے کی بجائے انہوں نے آخر یہ کہا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ

يَنْطِقُوْنَ کہ اے ابراہیم! تو خود بڑی اچھی طرح جانتا ہے، تجھے ہم سے زیادہ پتہ ہے کہ یہ بت بولنے والے نہیں ہیں۔ یہ تو بے جان چیزیں ہیں اور ان کو توڑ کر تو نے بڑا ظلم کیا ہے۔ اس سے بھی پتہ لگا کہ قوم کے لوگ جانتے تھے کہ ابراہیم جھوٹ نہیں بول رہے۔

اس پر حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا۔ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ وَلَا يَضُرُّكُمْ تمہاری یہ بات سچ ہے کہ نہ ان بتوں نے مارا، نہ مار سکتے تھے۔ یہ کچھ بھی نہیں کر سکتے اور اگر مارا بھی ہوتا تو بولنے کے قابل نہیں، بالکل بے جان چیزیں ہیں ان میں کوئی بھی حقیقت نہیں۔ اور جو اتنی بے حقیقت چیز ہو اس سے نہ تمہارا فائدہ وابستہ ہے نہ نقصان۔ فائدہ اس لئے نہیں کہ ان میں عمل کی کوئی طاقت نہیں۔ نقصان اس لئے نہیں کہ یہ کسی کو مار ہی نہیں سکتے۔ لوگوں کا نقصان کیا ہوگا؟ نہ یہ حق میں بول سکتے ہیں نہ خلاف بول سکتے ہیں۔ نہ حق میں کوئی فعل کر سکتے ہیں نہ خلاف کر سکتے ہیں۔

تب قوم کے لوگوں نے کہا کہ ابراہیم کو آگ میں ڈال دو۔ چنانچہ فرمایا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ یعنی اگر تم نے کچھ کرنا ہے تو سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں رہا کہ اس کو آگ میں ڈال دو۔ یہ وہ نتیجہ ہے جو انبیاء کی مخالف قومیں ہمیشہ نکالا کرتی ہیں۔ جب دلائل کامل ہو جائیں، جب حجت اتمام کو پہنچ جائے تو اس کے بعد خدا تعالیٰ بیان فرماتا ہے، سابقہ دستور یہی رہا ہے کہ اس وقت مخالفین تنگ آ کر جنگ پر آمادہ ہو جاتے ہیں اور شکست تسلیم نہیں کرتے۔ چنانچہ بعض مخالفین کا یہ فیصلہ ہوتا ہے کہ اب سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں کہ یا تو ایمان لانے والے زبردستی ہمارے اندر واپس لوٹ آئیں یا پھر ان کو وطن سے نکال دو یا قتل کر دو۔ بعض دفعہ نوٹس دیتے ہیں، اعلان کرتے ہیں کہ تمہیں تین دن دیئے جائیں گے۔ یا توبہ کر لو اور توبہ سے مراد یہ ہے کہ تم ہمارے مؤقف کی طرف لوٹ آؤ یا قتل ہونا منظور کر لو یا پھر اس ملک کو چھوڑ دو۔

’’تین دن‘‘ کے سوا باقی باتیں وہی ہیں جو قرآن کریم فرماتا ہے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے کہی تھیں۔ لیکن فرمایا عذاب کا صرف ایک طریقہ نہیں ہے جو مخالفین اختیار کرتے ہیں۔ بعض اوقات دوسرے طریقے اختیار کئے جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک آگ کا عذاب اور زندہ جلانے کی کوشش ہے۔ دور کے واقعات تو دور کے واقعات ہیں۔ ہم نے تو یہ واقعات اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں اس لئے سب سے زیادہ ان آیات کی حقیقت کو احمدی سمجھ سکتے ہیں کیونکہ ان پر یہ واقعات

گزر چکے ہیں اور آئندہ بھی گزرتے رہیں گے۔ ہم ان آگوں سے گزرے ہیں اس لئے ہم جانتے ہیں کہ بعینہٖ اسی طرح ہوا کرتا ہے۔ آج قرآن کریم کی آیت (قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿۷۰﴾ (الانبیاء:۷۰)۔ناقل) کی صداقت کی سب سے بڑی گواہ جماعت احمدیہ اور دوسرے حصے کی بھی گواہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب حضرت ابراہیمؑ کو قوم نے کہا کہ ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالے بغیر چارہ نہیں رہا تب ہم نے کہا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ کہ اے آگ! میرے ابراہیم پر ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی بن جا اور امن کی جگہ بن جا۔ وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ﴿۷۱﴾ انہوں نے بھی ایک تدبیر کی لیکن ہم نے ان کی تدبیر کو الٹ دیا اور وہ گھاٹا پانے والوں میں سے ہو گئے۔

پس جس جماعت نے قرآن کی گواہی کے ایک حصے کو بڑی شان کے ساتھ پورا ہوتے دیکھا ہے اور اس کے بعد کے حصے کو بھی بڑی شان کے ساتھ پورا ہوتے دیکھا ہے اور بارہا ایسے واقعات گزر چکے ہیں اس کو دنیا کی کون سی آگ ڈرا سکتی ہے۔ خواہ وہ ظاہری آگ ہو تب بھی وہ آگ مسیح موعود علیہ السلام کی غلام اور آپؑ کے غلاموں کی غلام بن کر رہے گی۔ خواہ وہ باطنی آگ ہو اور لفظِ آگ معنوی طور پر استعمال کیا گیا ہو تب بھی میں آپ کو خوشخبری دیتا ہوں کہ وہ آگ مسیح موعود علیہ السلام کی غلام اور آپؑ کے غلاموں کی غلام بن کر رہے گی اور جس طرح پہلے ابراہیمؑ پر آگ ٹھنڈی کی گئی تھی اس ابراہیمؑ پر بھی ٹھنڈی کی جائے گی۔ یہ ایک ایسی اٹل حقیقت ہے جس کو دنیا کی کوئی قوم بدل نہیں سکتی، کوئی حکومت تبدیل نہیں کر سکتی۔ تمام دنیا کی طاقتیں مل کر بھی اس کو تبدیل نہیں کر سکتیں۔ دراصل یہ ایک جاری وساری حقیقت ہے۔ کوئی نئی چیز یں نہیں ہے۔ جب سے آدمؑ آئے اور جب تک اللہ کی طرف سے آنے والوں کا سلسلہ جاری رہے ہمیشہ یہی ہوتا آیا ہے اور یہی ہوتا رہے گا۔ وہ لوگ جو خدا کے نام پر کوئی اعلان حق کرتے ہیں ان کے لئے لازماً آگ جلائی جاتی ہے اور لازماً ان کے لئے اس آگ کو ٹھنڈا کیا جاتا ہے اور گلزار میں تبدیل کر دیا جاتا ہے۔ یہ دو لفظوں میں سچائی اور جھوٹ کے مقابلے کی کہانی ہے جسے قرآن کریم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ پر آخر پر نتیجہ نکال کر ہمارے سامنے پیش کیا۔

اس میں شک نہیں کہ دلائل یقیناً سچائی کے ساتھ ہوا کرتے ہیں اور براہین قاطعہ ہمیشہ سچوں

کے ساتھ ہوا کرتی ہیں اور یہ دلائل مختلف شکلیں بناتے ہیں اور مختلف قوموں کے سامنے مختلف صورتوں میں آتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ متنبہ کرنا چاہتا ہے کہ تم یہ نہ سمجھ لینا کہ چونکہ دلائل ہمارے ساتھ ہیں اس لئے دلائل کے زور پر ہم فتح پا جائیں گے۔ جن قوموں سے تمہارا مقابلہ ہے ان میں ایسی بھی ہیں جو دلائل کو نہیں مانیں گی۔ وہ دلائل کے میدان میں جتنی زیادہ شکست کھائیں گی اتنا زیادہ ان کا غصہ بڑھتا چلا جائے گا۔ پس محض دلائل کے برتے پر تم اس دنیا میں زندہ نہیں رہ سکتے۔ تمہیں لازماً میری طرف جھکنا پڑے گا اور مجھ سے تعلق بڑھانا پڑے گا کیونکہ ایسا وقت آنے والا ہے کہ تمہارے سارے دلائل بے کار چلے جائیں گے اور تمہیں بچا نہیں سکیں گے بلکہ برعکس نتیجہ پیدا کردیں گے۔ تمہارے دلائل دلوں کو نرم کرنے کی بجائے انہیں اور زیادہ سخت کردیں گے۔ احساس خفت انتقام میں تبدیل ہو جائے گا۔ تب صرف میں ہوں جو تمہیں بچا سکتا ہوں اس لئے دلائل پر انحصار نہیں کرنا، ہمیشہ میری ذات پر انحصار کرنا ہے، میری طرف جھکنا ہے، مجھ سے تعلق جوڑنا ہے۔ پس اس راز کو کسی احمدی کو کبھی نہیں بھلانا چاہئے۔

آج ہمارا مختلف زمانوں سے مقابلہ ہے، کسی ایک زمانے سے مقابلہ نہیں ہے۔ ایسی قومیں بھی آج دنیا میں آباد ہیں جن کے عقائد ان لوگوں جیسے ہیں جنہوں نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مقابلہ کیا تھا، ایسی قومیں بھی آباد ہیں جن کے عقائد ان لوگوں جیسے ہیں جنہوں نے حضرت نوح علیہ السلام سے مقابلہ کیا تھا، ایسی قومیں بھی ہیں جن کے اعمال حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے اعمال کی طرح ہوگئے ہیں اور ایسی قومیں بھی ہیں جن کے اعمال لوط کی قوم کے اعمال کی طرح ہوگئے ہیں۔ پس وقت آگیا ہے کہ قرآن کریم کی یہ پیشگوئی پوری ہو وَ اِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ﴿۱۲﴾ (المرسلت: ۱۲) کیونکہ آج سب نبیوں کی قومیں ہمیں مختلف خطہ ہائے ارض پر پھیلی ہوئی دکھائی دے رہی ہیں۔ عقائد کے لحاظ سے بھی وہ سارے باطل عقائد آج دنیا میں موجود ہیں جو مختلف انبیاء کے زمانے میں پیدا ہوتے رہے اور اعمال کے لحاظ سے بھی وہ سارے بداعمال آج دنیا میں موجود ہیں جو مختلف انبیاء کے زمانے میں قوموں کو گندگی سے بھر دیتے رہے۔

پس جماعت احمدیہ کا مقابلہ نہ کسی ایک قوم سے ہے نہ کسی ایک زمانے سے، ہم وہ ہیں جن کے اس زمانے کے امام کے متعلق فرمایا گیا:

جَرِیُ اللّٰہِ فِیۡ حُلَلِ الْاَنۡبِیَآءِ (تذکرہ صفحہ ۶۳)

کہ خدا کا پہلوان مختلف نبیوں کے لبادے اوڑھ کر آیا ہے اس کو کبھی ایک بدی کا مقابلہ کرنا پڑے گا اور کبھی دوسری بدی کا۔ اس وقت جتنی بھیانک بدیاں اور تصورات ہمارے سامنے منہ کھولے کھڑے ہیں ان میں ہر قوم کے بد تصورات موجود ہیں اور ہر قوم کی بدیاں موجود ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کے مقابل پر دہریت کا اعلان کرنے والے بھی آج موجود ہیں اس لئے جہاں آپ کو ان سب بدیوں سے نبرد آزما ہونا ہے وہاں یہ یقین کامل بھی ہمیشہ رکھنا ہے کہ ان سب قوموں کا خدا آپ کے ساتھ ہے۔ اس خدا سے تعلق جوڑیں کہ وہ سارے معجزات آپ کے حق میں رونما ہوں گے جو مختلف نبیوں کے حق میں کبھی رونما ہو چکے ہیں۔ جتنا خطرناک مقابلہ ہے اتنا ہی شاندار انجام بھی آپ ہی کا ہے۔

پس دعا کریں اور اللہ پر توکل کرتے ہوئے آگے بڑھیں۔ بہت ہی خوش قسمت ہے وہ قوم جس کو اس عظیم الشان کام کے لئے چنا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہو۔ ہمیں ہر لحاظ سے وہ اپنے ساتھ رکھے اور اپنے پر توکل کرنے کے طریقے سکھائے۔ وہ اسلوب سکھائے جس سے ہم خدا والے بن جائیں اور پھر وہ ہر معاملے میں ہر دوسرے سے بڑھ کر ہمارے لئے غیرت دکھائے۔ خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۱۶ را کتوبر ۱۹۸۳ء)